تَغَيُّرُ الزَّمَانِ، وَزَيْغَةُ عَالِمٍ، وَجِدَالُ مُنَافِقٍ بِالْقُرْآنِ، وَأَئِمَّةٌ مُضِلُّوْنَ يُضِلُّوْنَ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ:

حضرت ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ہمارے لئے خُطبہ دیا اور فرمایا کہ مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف زمانے کے تغیر، عالم کی لغزش، منافق کے قرآن میں جھگڑنے اور گمراہ کن پیشواؤں سے ہے جو بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔[27]

موجودہ دور کا سب سے بڑا جہاد

پچھلے مباحث میں جہاد کے صحیح مفہوم اور اُس کی نوعیت واہمیت پر قرآنِ مجید اور احادیثِ نبوی کی رُو سے کافی روشنی پڑ چکی ہے۔ اور ماہرینِ لُغت، ماہرینِ حدیث اور ماہرینِ فقہ کی تشریح وتوجیہہ روزِ روشن کی طرح سامنے آچکی ہے۔ اور ان تمام ملاحظات کی رُو سے اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں اب کوئی شبہ باقی نہیں رہا کہ جہاد اصلاً دعوتِ اسلامی یا دین کو پھیلانے کا نام ہے۔ اور اس راہ میں جنگ کرنا جہاد کی ایک فرع ہے اصل نہیں۔ بالفاظِ دیگر "قتال" جہاد کی ایک ضمنی شکل ہے، اُس کی مکمل تصویر نہیں۔ مگر مدعیٔ تحقیق عوام الناس کو یہی باور کرانا چاہتے ہیں کہ قتال جہاد کی واحد اور مکمل تصویر ہے۔ یعنی جہاد سے مراد صرف اور صرف جہادِ عسکری ہے اور اس میں کسی دوسری قسم کی "جدوجہد" شامل نہیں ہوسکتی۔ اور عصرِ جدید کے بعض متجدّدین (مثلاً نواب چراغ علی) نے دعویٰ کر دیا ہے کہ قرآن میں جہاد سے مُراد صرف عمومی "جدوجہد" یا غیر عسکری جہاد مراد ہے۔[28] ظاہر ہے کہ یہ دونوں دعوے غلط اور لغو ہیں، جو دو انتہائی سروں پر اور افراط وتفریط کے حامل ہیں۔ اور صحیح بات ان دونوں کے درمیان ہے۔ یعنی احوال وکوائف کی مناسبت سے ان دونوں میں سے جو پہلو مناسب ہو وہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اور اس سلسلے میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تحقیق سب سے بہتر اور معتدل ہے، جو آگے آرہی ہے۔ نیز جیسا کہ تفصیل گزر چکی علمی جہاد کی حقانیت پر خاص کر امام بخاریؒ کا فتویٰ اس سلسلے میں ایک قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے مقابلے میں کسی

---

۲۷ کنز العمال ۱۰/۱۶۱

۲۸ دیکھئے مصنف کی کتاب "تحقیق الجہاد" [illegible]

خود ساختہ عالم یا "دانشور" کے کسی بھی قول یا گمراہ کن فتوے کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

خلاصہ یہ کہ دین کی دعوت اور اُس کی نشر و اشاعت اصل ہے اور "قتال" یا تلوار اُٹھانا ایک آخری چارۂ کار کے طور پر ہے، جو اصلاً مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ اس کی حیثیت ضمنی و فرعی ہے۔ ورنہ قرآن، حدیث اور ائمہ کرام کی تمام تصریحات و توجیہات بے معنی (معمہ و چیستان) بن کر رہ جاتی ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر ایک دوسری حیثیت سے غور کیجئے تو یہ حقیقت اور زیادہ نکھر کر آپ کے سامنے آجائے گی۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ : اور تم ان (کافروں) سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ (شرک و کفر) باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ ہی کا ہو جائے۔ (بقرہ : ۱۹۳)

اور بعض حدیثوں میں آتا ہے:

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ : مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کی شہادت نہ دے دیں۔[۲۹]

قرآن اور حدیث کے ان واضح احکام کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ہر دور، ہر ملک اور ہر جگہ منکرینِ خدا کے خلاف علمِ جہاد بلند کریں۔ یعنی مشرکین و کافرین کے خلاف فوجی کارروائی کریں۔ کیونکہ اس موقع پر قرآن اور حدیث دونوں میں لفظ قتال (جنگ) استعمال کیا گیا ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کیا آج مسلمان اپنا یہ شرعی فریضہ ادا کر رہے ہیں؟ یا فوجی و عسکری اور سیاسی نقطۂ نظر سے وہ اس فریضے کو ادا کرنے کے موقف میں ہیں؟ حالانکہ دنیا میں آج مسلمانوں کی آبادی لگ بھگ ایک ارب ہے۔ بالفاظِ دیگر دنیا کا ہر پانچواں آدمی مسلمان ہے۔ اور پچاس کے قریب اُن کے آزاد ممالک دنیا کے نقشے پر پائے جاتے ہیں۔ مگر کیا کوئی ایک مسلم ملک بھی ایسا موجود ہے جو کفار و مشرکین (یا ملحدین اور بے دین لوگوں) سے لوہا لے سکتا ہو؟ حالانکہ ابو داؤد کی جو

---

[۲۹] بخاری ۱/۱۱، مسلم ۱/۵۱، ابو داؤد ۲/۱۹۸، ابن ماجہ ۲/۱۲۹۵، مسند احمد ۱/۱۱

گلریز کا اخلاقی و عرفانی پہلو

ڈاکٹر مسز صفیہ عامر یہ انمس، ریسرچ ایسوسی ایٹ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

گلریز ضیاء الدین نخشبی بدایونی کی تصنیف ہے جو چودھویں صدی عیسوی کے ایک بزرگ عالم اور دردمند صوفی تھے۔ آپ شہر نخشب میں پیدا ہوئے تھے۔ نخشب جسے نسف بھی کہا جاتا تھا بخارا کا ایک سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ منگولوں کے بخارا پر قبضہ کرنے اور نخشب میں محلات تعمیر کرانے کے بعد اس علاقہ کا نام قرشی پڑ گیا۔[1] قرشی ایک منگولی لفظ ہے جس کے معنیٰ محل کے ہیں۔ آپ نے خود اپنے نخشب میں پیدا ہونے کا ذکر فخریہ انداز میں کیا ہے۔ سے

بہر شہری و ہر جای یک متاعِ قیمتی خیزد
صبا از نخشب شکر از مصر سعدی از شیراز

آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کسی تذکرہ نویس نے کچھ نہیں لکھا ہے اور نہ ہی آپ کی کسی تصنیف سے اس پر روشنی پڑتی ہے۔ البتہ عبدالحق محدث دہلوی نے تاریخ وفات ۷۵۱ھ مطابق ۱۳۵۰ء لکھی ہے۔[2] اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ آپ تیرہویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں منگولوں نے سمرقند، بخارا اور ماوراءالنہر میں قیامت صغریٰ برپا کر رکھی تھی۔ اس افراتفری اور لوٹ مار کے زمانے میں آپ نے مجبوراً اپنا وطن عزیز ترک کر کے ہندوستان ہجرت فرمائی اور بدایوں شہر قیام کے لئے پسند فرمایا۔ اس لیے کہ یہ شہر دارالسلطنت دہلی

---

[1] Encyclopedia of Islam' E. Berthels. Vol. II. P. 840 —

[2] ۔ اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، از عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۰۴ ۔

سے دور ایک پرسکون اور روح پرور مقام تھا۔ یہیں کے ایک بزرگ اور مشہور عالم شہاب مہمرہ سے شرف تلمذ حاصل کیا، اور شیخ فریدؒ جو شیخ حمید الدین ناگوریؒ کے پوتے تھے، کے مرید ہوئے آپ نے بدایوں شہر سے باہر قدم نہیں نکالا اور نہ ہی کسی بادشاہ یا امیر کے دربار تک رسائی حاصل کی۔ صبر و شکر اور قناعت کے ساتھ اپنی تمام عمر تصنیف و تالیف اور دیگر علمی کاموں کو انجام دیتے ہوئے ایک گوشہ تنہائی میں گزار دی۔ بدایوں میں ہی انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔

آپ کی تصانیف کئی ہیں جن کے نام یہ ہیں:۔ طوطی نامہ، سلک السلوک، چہل ناموس، گلریز، لذات النساء، عشرۂ مبشرہ، شرح دعای سریانی، یہ تصانیف مختلف موضوعات کی حامل ہیں جیسے تصوف، مذہب، داستان اور طب وغیرہ۔ سلک السلوک، شرح دعای سریانی اور گلریز مطبوع ہو چکی ہیں۔ گلریز ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال سے ۱۹۱۲ء میں طبع ہوئی ہے اس میں ۱۹۱ صفحات ہیں۔ اور عجب ملک اور نوشلب کے عشق کی داستان دلچسپ انداز میں بیان کی گئی ہے۔ جہاں تک داستان کے ماخذ کا تعلق ہے تو وہ محض آپ کے ذہن کی اختراع ہے جیسا کہ خود فرماتے ہیں:۔

نبوداست ایں حکایت در زمانہ تماماً اختراع است ایں فسانہ
مگر بود ایں حکایت در بکارت بر آں جستم ز حق از وی عبارت
بعالم منتشر نا بودہ ہرگز عروسش روبکس ننمودہ ہرگز
ورقہا سادہ بود از شرح ایں فن نگفتہ ہیچ کس ایں قصہ روشن [1]

ادبی اعتبار سے کتاب گلریز کا مرتبہ اعلیٰ و ارفع ہے۔ یہ رواں اور شیریں نثر و نظم میں لکھی گئی ہے۔ نثر مسجع ہے۔ موقع اور مناسبت کے اعتبار سے قرآن مجید کی آیتوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، خلفائے کرامؓ اور مختلف اولیاء اللہ کی زندگیوں کے نصیحت آموز واقعات اور اقوال سے استدلال کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ آپ نے اپنے برمحل، خوبصورت اور مؤثر اشعار و قطعات سے عبارت کو مزین فرمایا ہے۔ اس کتاب کا سبب تالیف آپ یہ فرماتے ہیں:۔

شبی خرم تر از صد روز نو روز ز صبح عید ہم چیزی دل افروز

---

[1] ایضاً ص۸

من و دل یک دگر بودیم خرم — دراں خلوت بجز دل محرمی کم
دریں اندیشہ کیں چرخ خطرناک — بخواہد کرد ما را عاقبت خاک
چہ دامن ہا کہ دراں چاک کردہ است — نہ من تنہا کیا تنہا خاک کردہ است
چو زیں منزل حقیقت رفتنی ہست — بسا اندر نہ گل خفتنی ہست
بیاید کرد در آفاق کاری — کہ بعد از ما بماند یادگاری[1]

لیکن آپ کا منشا محض یہ نہیں تھا کہ ایک بے معنی داستان کو اعلیٰ ادبی انداز میں پیش کر دیا جائے اور اس طرح اپنے علمی کمالات کا اظہار کیا جائے، بلکہ آپ نے اسے تصوفانہ رنگ میں لکھا ہے۔ یوں تو آپ کی ہر کتاب میں تصوفانہ رنگ غالب ہے اور سلک السلوک تو خالص تصوف کی کتاب ہے۔ لیکن گلریز میں تصوف اور عرفان کا باقاعدہ درس دیا گیا ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ سچے سالک کو راہ عشق میں کیا کیا پریشانیاں اور رکاوٹیں پیش آتی ہیں اور کن صبر آزما مصائب سے گزرنا پڑتا ہے، تب جا کر منزل وصال تک پہنچتا ہے اور گوہر مراد حاصل کرتا ہے چونکہ صوفیہ حضرات کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ تصوفانہ مضامین اور عرفانی افکار و خیالات کو ہمیشہ اشاروں، کنایوں اور مرموز اصطلاحوں کے ذریعہ بیان کیا ہے اسی طرز پر آپ نے بھی عشقیہ داستان کے در پردہ عرفانی مطالب و معانی کو تحریر فرمایا ہے چونکہ عرفانی اور تصوفانہ درسیات میں اخلاقیات کا درس جزو لاینفک ہے اسی لئے بیشمار اخلاقی اوصاف کا نہایت خوبی سے ذکر فرمایا ہے اور منہیات اور برائیوں سے متنبہ کیا ہے۔ گویا آپ کی توجہ تصوف کے عملی پہلو پر بھی مرکوز رہی ہے لیکن اس کتاب کو پند و نصیحت کی خشک کتاب نہیں بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک دلچسپ داستان کو دلنشین انداز بیان کے ساتھ بیان فرماتے ہوئے پند و نصیحت کے مضامین اتنی خوبصورتی سے منسلک فرماتے ہیں کہ قاری کا ذہن داستان کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اور لاشعوری طور پر وہ پند و نصیحت کے کڑوے گھونٹوں کو بآسانی حلق سے اتارتا چلا جاتا ہے اگر آپ کے اخلاقی مضامین کو یکجا کر دیا جائے تو ایک علیحدہ کتاب تیار ہو جائے گی، چنانچہ اختصار کے ساتھ اس داستان کے اخلاقی پند و نصیحت اور عرفانی پہلو

---

[1] ایضاً ۷

کا ذکر کیا جاتا ہے۔

نخشب میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام طیفور تھا اور وہ ایک وسیع سلطنت پر نہایت جاہ و جلال اور شان و شوکت سے عدل و انصاف اور احسان و اکرام کے ساتھ حکومت کرتا تھا۔ اسی ضمن میں عدل کی تعریف میں فرماتے ہیں:

"خود شہریاران کامل عقل و جہانداران شامل فضل را ہیچ نعمتی بہتر از اکرام و احسان نیست و ہیچ دولتی پاک دامنی تر از عدل دامان نہ"

تا توانی پیشۂ خود عدل کن　　دیں نصیحت را نکو بر پای دار

گر نباشد عدل شاہاں بر زمیں　　عالم خاکی نباشد بر قرار[1]

اس بادشاہ کے کوئی اولاد نہ تھی، وہ ہر وقت لم یلد ولم یولد سے اولاد کے لئے دعا کرتا رہتا تھا اس لئے کہ۔ ؎

گر عمر دگر خواہی فرزند نکو خواہ　　بر روی زمیں عمر دگر کس را نیست[2]

کافی وقت گزرنے پر اس کے اولاد ہوئی جس کا نام بادشاہ نے "معصوم شاہ" رکھا۔ جب وہ بڑا ہوا تو علم و ادب کے زیور سے آراستہ کیا۔

"خود علم تاجیست مرصع جز بر سر کبرای کرام نشاید و ادب دواجیست مکلل جز بر علماء عظام نزیبد کہ اَلْاَدَبُ اَشْرَفُ نَسَبٍ وَالْفَضْلُ مُکْتَسَبٍ وَاَجَلُّ مَالٍ وَاَتَمُّ جَمَالٍ"[3]

ایک دن ایک خوبصورت مرغ محل کے کنگرہ پر نظر آیا معصوم شاہ اس کے پکڑنے کی کوشش میں لڑکھڑایا تو اس کا مرصع تاج نیچے گر پڑا مرغ نے اس کا تاج لے کر اڑ جانا چاہا تبھی.. گرفتار ہوا اور قفس میں اسیر کر دیا گیا طمع کے بارے میں فرماتے ہیں:

طمع را تا توانی گرد کم گرد　　بسا سر کز طمع برباد رفتہ است

طمع را سہ حرفی ست وہر سہ از نقطہ خالی این چیست ؟ نقطہ را نیز ننگ می آید

---

[1] ایضاً ص۱۰　[2] ایضاً ص۱۱ -　[3] ایضاً ص۱۱ -

کہ گرد طمع گردد۔ ؎

بر خویشتن مدہ تو حرص را راہ کز حرص و طمع گدا شود شاہ ؎۱

مرغ نے قفس میں دانہ نہیں کھایا۔ شہزادے نے ہر ممکن کوشش کی مگر ناکامیاب رہا۔ مایوس ہوکر افسردہ و غمگین پنجرے کے پاس بیٹھ گیا۔

مرغ درحقیقت ایک شہزادی تھی۔ شہزادے کی محبت اور دلداری سے متاثر ہوئی، اور بولی کہ کاش میں اپنی اصلی حالت میں ہوتی تو شہزادے کو اس کی محبت کا صلہ دیتی۔ شہزادے کو اول اس کی گویائی پر حیرت ہوئی اور پھر اس کا حال دریافت کیا تو مرغ نے بتایا کہ میں پریوں کے بادشاہ کی بیٹی نوش لب ہوں، میرے باپ کو مشہور شاہ کہتے ہیں اور ہمارے شہر کو بیت الامان کہا جاتا ہے۔ ملک ترکستان میں ایک بادشاہ ہے جس کا نام شاہ بہ گرد ہے اور اس کے بیٹے کا نام عجب ملک ہے۔ عجب ملک دولت کی فراوانی اور اپنے حسن کی تابانی سے مغرور ہو گیا تھا۔

"ہر کہ بچشم رعونت در خود نگریست صد گونہ ابواب تعب بر وکشادند و ہر کہ دیدہ غرور بخود بدید خرمن شادمانی اورا بباد بی نیازی بردادند" ؎۲

اسی مجلس عیش و نشاط میں ایک بوڑھے شخص نے نوش لب کے بے مثال حسن و جمال کی تعریف اتنے موثر انداز سے کی کہ عجب ملک بغیر دیکھے ہی اس پر عاشق ہو گیا۔ ؎

مہر کس در دل چو صادق میشود گوش پیش از چشم عاشق میشود

"ولہٰذا علمای تحقیق و بلغای تدقیق سمع را بر بصر ترجیح نہادہ اند و گوش را بر چشم دادہ و می گویند کہ سمع از ہر جوانب بشنود و بصر یکجانب بیش نہ بیند و چیزیکہ ہمہ جوانب ادراک کند فاضل تر از آں باشد کہ از یکجانب بہ بیند" ؎۳

جب اس مرد پیر نے عجب ملک کی حالت دگرگوں دیکھی تو اپنی کہی ہوئی بات پر شرمندہ ہوا لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ "ہو بستان اساس بلاغت گوہر مَن کَثُرَ کلامُہٗ کَثُرَ لَغوُہٗ بہرزہ نسفتہ اند و مہندسان ہندسہ بلاغت قول اِلزَم الصَّمتَ مَا استَطَعتَ فَاِنَّہٗ

؎۱۔ ایضاً ص۱۳۔ ؎۲۔ ایضاً ص۱۹۔ ؎۳۔ ایضاً ص۲۴۔

سَجِیّۃُ الاَنبیاءِ بگزاف نگفتہ اند"[1] عجب ملک کے باپ شاہ گردکو جب اس کی پریشان حالی کی خبر ملی تو وہ اول خود اس کا حال دیکھنے آیا اور پھر ایک طبیب حاذق کو اس کے علاج کے لئے بھیجا۔ طبیب نے اس کے مرض کو لا علاج قرار دیا۔ زیرا کہ دردِ عاشق را ہیچ معالج فائق و حواس صادق مداوات نتوان کرد و علت مشتاق را ہیچ لبیب عزیب و طبیب عجیب معالجت نتواں آورد۔ دَاعِیاً مِن دوَاءِ المَوتِ کُلُّ طَبِیبٍ ذَلَّ۔ دلی صنوبری انسانی چوں از عشق تاب یافت ہیچ مفرح بہہ نشود و جگر ہلالی حیوانی چوں از شوق پژمردہ شد ہیچ شربت باز نیاید"[2]

آخر کار وزیر نے ہمدردی کی باتیں کیں اور شہزادے کے غم و اندوہ کا سبب جان کر اسے سمجھایا کہ "دل برموالات زنان داشتن محض خطا است و جان برمصافات نسار گماشتن عین عنا، داغ بیوفائی برجبین وقت ایشاں لائح است و نکہت بہ دغائی از ریاحین عہد ایشاں رائح"[3] لیکن عجب ملک نے اس کی نصیحت نہ سنی اور جواب دیا کہ "بی ہوسان خود پرستان را وفا از عشق چشم باید داشت نہ از معشوق۔ پیشہ معشوق ہمہ وقت ملال زیست و شیوۂ عاشق ہمہ گاہ وفا و سرباز یست"[4] وزیر نے شہزادے کو سمجھانے کی بہت کوشش کی، لیکن بے سود، مایوس ہو کر بادشاہ کی خدمت میں گیا اور عجب ملک کے راز نہانی سے آگاہ کیا۔ بادشاہ نے اسے اس ارادہ سے باز رکھنا چاہا اور اسے اس طرح سمجھایا۔ "ای پسر چشم بر مودت انسانی داشتن عین عنا ست و ہوس بر محبت مجازی گماشتن محض خطا است، فرزند خلف برای آن باید تا نام اجداد زندہ گرداند و بعد ایشاں جای ایشاں تاریک نگذارد کہ مقصود ز توالد و تناسل ہمیں بیش نیست"[5] عجب ملک نے باپ کی پند و نصیحت و گریہ و زاری کا کوئی اثر نہ لیا اور جواب دیا "در سری کہ سودای عشق افتادہ بتاج شاہی کی فرود آید و در دلی کہ سودای شوق برخاست بدواج شہنشاہی کی التفات نماید۔ دعوای محبت کردن کار

---

[1] ایضاً ص۲۵۔ [2] ایضاً ص۳۳۔ [3] ایضاً ص۳۸
[4] ایضاً ص۴۶۔ [5] ایضاً ص۵۲۔

بالفعان کو می وفا است نہ پیشۂ طفلان بی ادب وشاہراہ مودت سپردن نشان سالکان راہ رضا است نہ شیوہ کودکان مکتب۔ عشق آتشی است کہ از زبانۂ سوزش هزار دل را تاب دادہ است واز شعلۂ فراق فروزاں هزار جگر را داغ نہادہ۔ ؎

آنرا کہ هوای یار در سرافتاد
گر سر برود هواش از سر نرود [1]

الغرض بادشاہ کا سمجھانا بھی کارگر نہ ہوا۔ عجب ملک نے بادشاہ سے اجازت طلب کی کہ اپنے محبوب کی تلاش میں وہ بھی مجنون کی طرح صحرا کی خاک چھاننے اور دربدر مارا مارا پھرے شاید مطلوب کا چہرہ دیکھے۔ بادشاہ نے اجازت نہ دی تو عجب ملک نے اپنی دایہ کے لڑکے راسخ کو اپنا رازدار بنایا اور شکار کے بہانہ جنگلوں کی راہ لی۔ ضیاء الدین نخشبی نے چونکہ عجب ملک کو سالک دکھایا ہے اور سلوک کے راستے میں پہلی وادی طلب کی آتی ہے۔ عجب ملک اس وادی سے اس وقت گزرا جب مرد پیر سے نوشلب کی تعریف سنی اور بغیر دیکھے ہی اس پر عاشق ہوگیا اور محبوب کی تلاش اور اس کے حصول کی تمنا میں محو ہوگیا۔ دوسری عشق کی وادی ہے جب دل میں سچا عشق پیدا ہوگیا تو تاج و تخت اور عیش و آرام کو خیرآباد کیا اور جلوۂ حق کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ "این راہیست تا پای بر سر نہی دست بسلسلۂ مسلسل خوبرو ی نرسد وتا جان بجائے دل ندہی عشق بازی مسلّم نشود"[2] راستے کی سختیوں اور غربت کی تنگیوں کو برداشت کیا، دہشتناک صحراؤں اور خوفناک بیابانوں کو عبور کیا، فراق یار کی تڑپ اور بیقراری میں گریہ کرتا ہوا دُنیا کی شکایت میں کہتا ہے۔ "دُنیا معشوقہ ایست بیوفا کہ شیوہ او ہمہ خونریزیست وعادت او ہمہ مردم بیزیست۔ بخنجر بلا خون هزار عاشق ریختہ است و بہ کنگرۂ عناسر هزار وامق بیاویختہ"[3] دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرتا ہوا ایک ہولناک دریا تک پہنچا اور دریای سفر کا آغاز کیا۔ جہاں بھی کوئی شہر نظر آیا وہاں پہنچ کر نوشلب اور بیت الامان کا پتہ پوچھا مگر کچھ معلوم نہ ہو سکا ایک دن

---

[1] ایضاً ص ۵۴ و ص ۵۵۔ [2] ایضاً ص ۵۵۔ [3] ایضاً ص ۵۶۔